تبصرہ کتب

زبیدہ جبیں: پروفیسر محمد منور بطور اقبال شناس۔ **ناشر:اقبال اکادمی پاکستان، لاہور،صفحات۲۳۰، قیمت۔/۱۵۰روپے**

فکر اقبال کو قریباً ایک صدی سے دانش وروں اور ادبی نقادوں کے لیے ایک اہم مبحث کی حیثیت حاصل ہے۔ نہ صرف پاکستان اور بھارت کے علمی وفکری حلقوں میں بلکہ بین الاقوامی سطح پر بھی اقبالیاتی فکر کو پذیرائی حاصل ہوئی ہے۔ وقت کے ساتھ ساتھ اس بات کا احساس بڑھتا جارہا ہے کہ فکر اقبال کے مختلف پہلوؤں پر مزید کام کی ضرورت ہے۔

پروفیسر محمد منور ان دانش وروں میں شامل ہیں، جنھوں نے فکر اقبال سے وابستگی کو اپنی زندگی کا حاصل سمجھا۔ انھوں نے نہ صرف اقبال کے فکر کو اپنے دامن میں کشید کرنے کی کوشش کی بلکہ اس فکر کو اپنی خداداد صلاحیتوں سے دوسروں تک منتقل کرنے کا بیڑا بھی اٹھایا۔ فکر اقبال کو سمجھنے کے لیے بجاطور پر ایک ایسے شخص کی ضرورت رہی ہے، جو عربی وفارسی زبان کے علاوہ انگریزی میں بھی دسترس رکھتا ہو، اور اس کے قلب و روح میں اسلام کی حقانیت اور امت مسلمہ سے محبت کا وافر جذبہ بھی موجود ہو۔ یہ تمام خوبیاں پروفیسر محمد منور کی شخصیت میں بدرجہ اتم موجود تھیں۔

زبیدہ جبیں صاحبہ نے پروفیسر محمد منور کی سوانح اور علامہ اقبال پر ان کے کام کا تنقیدی جائزہ اپنے مقالے میں پیش کیا ہے۔ مقالہ پانچ ابواب میں منقسم ہے۔ پہلا باب پروفیسر محمد منور کی سوانح اور شخصیت کے متعلق ہے۔ دوسرے باب میں اقبال اور فکر اقبال سے وابستگی کو موضوع بنایا گیا ہے۔ پروفیسر محمد منور کا اقبالیاتی سرمایہ(اردو) تیسرے باب کا موضوع ہے۔ چوتھے باب میں ان کی انگریزی تحریروں اور پانچویں باب میں مجموعی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔

سوانح وشخصیت کے باب میں مقالہ نگار نے پروفیسر محمد منور کی زندگی کا نقشہ بہت عمدگی سے پیش کیا ہے۔ ان کے آبائی وطن بھیرہ (ضلع سرگودھا) کا ذکر، وہاں سے سرگودھا منتقلی اور ان کے تعلیمی مراحل کی

تفصیل اختصار اور جامعیت سے پیش کی گئی ہے۔ واقعاتِ زندگی کو فکر سے مربوط کرنا ایک دشوار گزار کام ہوتا ہے۔ زمانہ طالب علمی کے حالات بیان کرتے ہوئے، بتایا گیا ہے کہ محمد منور کے اندر خودی کا جذبہ موجود تھا۔ اور اگر کہیں اس کو ٹھیس لگانے کی کوشش کی جاتی تھی، تو فقر و غنا کا یہ پیکر اسے ہرگز قبول نہیں کرتا تھا۔ اس خودی و انانیت کی مثالیں ان کی زندگی میں مختلف مواقع پر ملاحظہ کی جاسکتی ہیں، مثلاً زمانہ طالب علمی میں علی گڑھ یونی ورسٹی کی انتظامیہ کے ایک رکن نے آپ کو علی گڑھ میں داخلہ اور وظیفہ دلوانے کی حامی بھری، جس پر آپ علی گڑھ جانے کے لیے تیار ہوگئے۔ لباس وغیرہ بھی سلوا لیا۔ اسٹیشن پر اپنا سامان لے کر پہنچ گئے۔ لیکن روانگی سے کوئی دس منٹ قبل سارا منصوبہ محض اس لیے ترک کر دیا کہ وہ شخص اپنے اندازِ گفتگو سے اپنے آپ کو آقا سمجھنے لگا تھا۔

پروفیسر محمد منور کی وطن دوستی اور حق گوئی بھی ان کی شخصیت کی نمایاں خوبی تھی۔ مقالہ نگار نے ان کی زندگی کے حوالے سے اس کا بھرپور نقشہ پیش کیا ہے۔ وہ ہمیشہ حق کے علم بردار رہے اور دنیاوی اغراض کی خاطر کسی جاہ پسند حکمران کے سامنے نہیں دبے۔ انھیں مشرقی پاکستان کے الگ ہونے کا بہت دکھ تھا۔ اس سلسلے میں وہ خاص طور پر ذوالفقار علی بھٹو کو اس سانحے کا ذمہ دار قرار دیتے تھے۔

مقالہ نگار نے پروفیسر محمد منور کے فقر و غنا کو بھی موضوع بنایا ہے اور اس کی جھلک ان کی زندگی میں دکھائی ہے۔ خاص طور پر جب وہ اقبال اکادمی کے ڈائریکٹر تھے، تو انھوں نے اکادمی کی مالی مشکلات کے پیشِ نظر اپنی تنخواہ سے دستبرداری کا اعلان کیا اور مزید یہ کہ اکادمی کے اشاعتی منصوبوں کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لیے اپنی جیب سے سوا لاکھ روپے پیش کیے۔

بین الاقوامی سیمی ناروں اور کانفرنسوں میں شرکت، احباب سے بے تکلف گفتگو، گھریلو اور مجلسی زندگی، اور متانت کے ساتھ لطف طبع کے واقعات کو بہت بھرپور انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ سوانح میں ایک خفیف سی لغزش کا احساس بھی ہوتا ہے۔ پروفیسر محمد منور کے والد کا نام متعدد مقامات پر مرزا ہاشم الدین لکھا گیا ہے۔ جب کہ ضمیمے میں دیے گئے سرٹیفکیٹ اور اسناد کے مطابق ان کا نام ہاشم دین ہے۔

باب سوم میں پروفیسر صاحب کے اقبالیاتی سرمائے کا، بحوالہ اردو کتب (میزان اقبال، ایقان اقبال، علامہ اقبال کی فارسی غزل اور برہان اقبال) احاطہ کیا گیا ہے۔

میزان اقبال کے آٹھ مضامین میں سے بیش تر علامہ اقبال کی شاعرانہ فن کاری سے متعلق ہیں۔ ایقان اقبال کے مضامین کے متعلق اظہارِ خیال کرتے ہوئے مقالہ نگار نے بتایا ہے کہ محمد منور کے ہاں فکرِ اقبال اور پاکستان دو ایسے اجزا ہیں، جو ایک دوسرے میں اس طرح مدغم ہوگئے ہیں کہ انھیں لازم و ملزوم سمجھنا چاہیے۔ علامہ اقبال کی فارسی غزل میں محمد منور نے فارسی کے نوغزل گو شعرا سے اقبال کا موازنہ پیش کیا ہے اور بے لاگ تجزیہ کرتے ہوئے بتایا ہے کہ اقبال کو فارسی غزل گوئی میں ان شعرا پر کہاں کہاں تفوق حاصل

ہے۔ مقالہ نگار نے اقبال کی فارسی شاعری کے آغاز کے متعلق محمد منور کی بحث پر بھی اظہارِ خیال کیا ہے۔

برہان اقبال کے مضامین سے مقالہ نگار نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ جس طرح اقبال کو قرآنی فکر اور پیغام سے گہرا شغف تھا، اسی طرح اقبال کے انھی پہلوؤں کو محمد منور نے بھی پیش کیا جو فکرِ اقبال سے دل چسپی رکھنے والوں کے اندر بیداری کی لہر دوڑا دے اور خود کو نئے دور کے فتنوں سے نبرد آزما ہونے کے لیے تیار کر سکے۔

قرطاس اقبال محمد منور کے قدرے مختصر اور مختلف النوع مضامین کا مجموعہ ہے۔ اس کتاب کا پیش لفظ ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی کے قلم سے ہے۔ انھوں نے لکھا ہے کہ ان پُرسوز تحریروں کی تاثیر دراصل پروفیسر صاحب کی ایمانی حرارت سے ماخوذ ہے کیونکہ پروفیسر صاحب افرادِ ملت کی کوتاہیوں کے باوجود امت کے روشن مستقبل پر یقین رکھتے ہیں۔ قرطاسِ اقبال پر تبصرہ کرتے ہوئے مقالہ نگار نے لکھا ہے کہ زیرِ نظر کتاب میں اپنی دیگر علمی تصانیف کے برعکس مرزا صاحب کا اسلوب تحریر نسبتاً ہلکا پھلکا ہے۔ مرزا صاحب کے نزدیک فکرِ اقبال کو عام کرنے کا مقصد عوام الناس کی فکری و عملی تربیت کرنا بھی تھا اور اس کتاب کے مضامین دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ مرزا صاحب کی کتاب متذکرہ مقصد کو بدرجہ اتم پورا کرتی ہے۔

پروفیسر محمد منور بیک وقت پانچ زبانوں (اردو، فارسی، عربی، انگریزی اور پنجابی) میں تحریر وتقریر کی صلاحیت رکھتے تھے۔ انھوں نے انگریزی میں بھی چار کتابیں تصنیف کی ہیں:

1- *Iqbal and Quranic Wisdom*

2- *Iqbal: Poet-Philosopher of Islam*

3- *Dimensions of Iqbal*

4- *Iqbal on Human Perfection*

ان کتب کی تحریر کا ایک اہم مقصد چونکہ انگریزی خواں طبقے کو اقبالیاتی فکر سے روشناس کرانا اور اقبال کے نظریات کو صحیح صورت میں پیش کرنا تھا، چنانچہ ان کتابوں میں بحث اور مطالعے کا انداز علمی و فکری ہے۔ مقالہ نگار نے اس بات کی کوشش کی ہے کہ پروفیسر محمد منور نے جس عمدہ پیرائے میں ان مضامین کو موضوع بحث بنایا ہے، اسے غیر جانبدارانہ تجزیے کے ساتھ پیش کیا جائے۔

آخری باب میں مجموعی جائزہ پیش کیا گیا ہے، جو پروفیسر موصوف کی مجموعی اقبالیاتی خدمات کا احاطہ کرتا ہے۔ زبیدہ جبیں کا یہ مقالہ کئی اعتبار سے اہم ہے۔ اس کتاب کے مطالعے سے سب سے پہلی بات یہ سامنے آتی ہے کہ افرادِ ملت میں اب بھی ایسی چنگاریاں موجود ہیں، جو قوم کو حیاتِ تازہ بخشنے کی صلاحیت رکھتی ہیں۔ اقبال کا مردِ مومن جو فقر و درویشی کی مثال ہے، محض ایک خیال نہیں بلکہ اس کی عملی تفسیریں اور تعبیریں موجود ہیں اور علمی میراث کو سنبھالنے والے افراد ہمیشہ عزت و قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔

فکرِ اقبال پر پروفیسر محمد منور نے جو کام کیا، اس سارے کام کا احاطہ کرنا اور اس کی تفہیم و تعبیر کے

ذریعے اُمت مسلمہ میں جوش و جذبے کی نئی روح پھونکنا، بھی اہم مقصد ہے۔ زوالِ اُمت کے اس دور میں علمی میراث کے ذریعے کامیابی کے راستے کی طرف راہنمائی کرنا بھی اس کام کا اہم مقصد ہے۔

مقالہ نگار نے اس بات کی کوشش کی ہے کہ پروفیسر محمد منور کے افکار کو کما حقہ پیش کیا جائے اور جہاں تک ممکن ہو، ایک ایسی تصویر پیش کی جائے، جسے دیکھ کر محبت و عقیدت کے جذبات پروان چڑھیں۔ اپنی اس کوشش میں وہ بہت حد تک کامیاب رہی ہیں۔ ـــــ محمد ایوب لِلّٰہ

☆☆☆

احمد رضا: کلیات اقبال، اردو (مع اشاریہ و کشف الابیات) **ناشر: ادارہ اہل قلم** 3/10 ہما بلاک، علامہ اقبال ٹاؤن، لاہور، **صفحات ۸۸۰، قیمت ۔/۱۰۰۰ روپے**

علامہ اقبال کے اردو اور فارسی شعری مجموعوں پر مبنی ان کے اردو اور فارسی کلیات، پہلی بار ۱۹۷۳ء میں شائع کیے گئے تھے (اس زمانے میں بھارت میں بڑے پیمانے پر اور پاکستان میں محدود پیمانے پر سوسالہ جشن ولادتِ اقبال منایا جارہا تھا۔) کلیات اقبال اردو میں کلامِ اقبال کے تمام اردو مجموعوں کو یکجا کیا گیا اور ارمغان حجاز کا اردو حصہ بھی اسی میں شامل کرلیا گیا۔ پورے کلام کی از سرِ نو کتابت کرائی گئی۔ محمود اللہ صدیقی کا کتابت کردہ کلیات کا یہ نسخہ کسی قدر تزئین کے ساتھ اقبال صدی کے موقع پر ایک برمحل پیش کش تھا، شائقین اقبال کے لیے ایک ارمغان۔ ناشر نے کلیات کو الگ الگ مجموعوں کی شکل میں بھی شائع کیا۔

کلامِ اقبال کی یہ جامع اشاعت ایک بڑا اہم، سنجیدہ، نازک اور توجہ طلب کام تھا۔ اگرچہ غلام رسول مہر ایسے فاضل بزرگ کلیاتِ مذکورہ کی ترتیب، پروف خوانی میں مجموعی مشاورت میں پروفیسر حمید احمد خاں، حامد علی خاں، مرزا ہادی علی بیگ، وامق ترابی اور ڈاکٹر جاوید اقبال بھی ان کے ساتھ شامل رہے، اس کے باوجود مطبوعہ کلیات میں کتابت کی بیسیوں اغلاط باقی رہ گئیں۔ سابقہ مجموعوں کی تقریباً ۳۰ اغلاط درست کردی گئیں۔ پھر بھی متن، املا اور کتابت کی متعدد اغلاط کی صحت نہیں ہوسکی اور کلیات کی نئی اغلاط بھی دَر آئیں۔

لیکن دو درجن سے زائد ایسی اغلاط کو نظر انداز بھی کردیا جائے، تب بھی کلیات کی کتابت کے موقع پر کلامِ اقبال خصوصاً بالِ جبریل کی ترتیبِ کلام میں جو تبدیلی کی گئی، اس کا کوئی جواز نہ تھا اور کسی شخص یا کمیٹی کو یہ اختیار نہ تھا کہ وہ بالِ جبریل کی غزلیات کے آخر میں درج رباعیات یا قطعات کو خود اقبال کے تعین کردہ محل سے اٹھا کر انھیں یک جا کرکے ''رباعیات'' کے عنوان سے ان کا ایک نیا حصہ بنا دیتی۔

ہم نے اس مسئلے پر سب سے پہلے ۱۹۸۲ء میں یہ سوال اٹھایا تھا کہ ترتیبِ کلیات کی مشاورتی کمیٹی نے ''ترتیب کلامِ میں یہ تبدیلی کیسے گوارا کرلی؟'' (تصانیفِ اقبال، ص۴۴) بعدازاں بھی متعدد بار توجہ دلائی

جاتی رہی (مثلاً افکار معلم، نومبر ۱۹۹۰ء، اقبال نمبر ۱۹۹۲ء۔ اس سلسلے میں مزید تفصیل کے لیے دیکھیے۔ راقم کا مضمون ''کلامِ اقبال کی تدوینِ جدید'' مشمولہ: اقبال، تفہیم و تجزیہ)

کلامِ اقبال کے قدیم نسخے اس اعتبار سے اہمیت رکھتے ہیں کہ ان میں کلامِ اقبال کی ترتیب، علامہ اقبال کی قائم کردہ ہے۔ حسنِ کتابت، ان کی ایک اور نمایاں خوبی ہے۔ بیش تر مجموعوں کی کتابت پروین رقم کی ہے، جو علامہ کے پسندیدہ کاتب تھے۔ بعض لوگوں نے مذکورہ قدیم نسخوں کی اسی اہمیت اور حسنِ کتابت کے سبب حال ہی میں ان کے عکسی اڈیشن شائع کیے ہیں۔ جنابِ احمد رضا نے متذکرہ قدیم نسخوں کو اپنے الفاظ میں ''ایک تبرّک'' سمجھتے ہوئے کلیاتِ اقبال کے زیرِ نظر اڈیشن میں انھیں یکجا کر دیا ہے۔ اگرچہ ان کا اصل مقصود کشف الابیات اور متعدد اشاریے پیش کرنا تھا جو اس نسخے میں شامل ہیں۔ کلیاتِ اقبال کے اس اڈیشن کو، انھی کی وجہ سے، کلیدِ کلیات کا نام دیا گیا ہے۔

علامہ اقبال کے جملہ اردو مجموعے بانگِ درا، بالِ جبریل اور ضربِ کلیم (قدیم اڈیشن) بار بار شائع ہوتے رہے ہیں۔ زیرِ نظر کلیات انھی قدیم اشاعتوں کے عکسی متون پر مبنی ہے۔ مگر یہ پتا نہیں چلتا کہ مشمولہ عکسی متون بانگِ درا، بالِ جبریل اور ضربِ کلیم کی کون کون سی اشاعتوں (کن سنین کے اڈیشنوں) کے ہیں؟ یہ بتانا اس لیے ضروری تھا کہ مذکورہ تینوں مجموعوں کے بیشتر اڈیشنوں کے املا، کتابت اور متن میں وقتاً فوقتاً تبدیلیاں کی جاتی رہی ہیں۔ احمد رضا صاحب نے عکسی متون پورے اور من و عن بھی شامل نہیں کیے۔ بعض وجوہ سے کہیں کہیں نظموں کے عنوانات اور متن کے کچھ حصے کی نئی کتابت کرائی گئی۔ اس سے بھی بڑی تبدیلی یہ کی ہے کہ بالِ جبریل کی غزلیات کے آخر میں شامل رباعیات/قطعات کو کلیاتِ ۱۹۷۳ء کے تتبع میں اُن کے محل سے ہٹا دیا گیا ہے۔ مگر مذکورہ اڈیشن کی پوری طرح تقلید بھی نہیں کی گئی۔ اس طرح بالِ جبریل کی یہ ایک نئی (تیسری) ترتیب سامنے آگئی ہے اور قدیم اڈیشن کا متن دینے کا جو فائدہ ہو سکتا تھا (کہ متن کلام کی اصل ترتیب قائم رہے) وہ ختم ہو گیا۔

ہمارے خیال میں احمد رضا صاحب کے زیرِ نظر کام کی اصل اہمیت اس کے کشف الابیات اور پانچ اشاریوں کی ہے، جو اس نسخے کے آخر میں باریک کتابت میں سوا سو صفحات پر پھیلے ہوئے ہیں۔ بلاشبہ انھوں نے کلیات کی یہ کلید بڑی محنت و دیدہ ریزی، مہارت و ہنرمندی اور باریک بینی و دقت نظری سے مرتب کی ہے۔ ایسی جامع اور اس ہمہ جہت انداز میں ابھی تک کلیات کی کوئی کلید تیار نہیں کی گئی۔

کلید کا پہلا حصہ کشف الابیات پر مشتمل ہے۔ بالفاظِ دیگر یہ پورے کلیات کا ایک مصرع وار اشاریہ ہے۔

کشف الابیات اقبال (اردو) کے ضمن میں قبل ازیں متعدد کام ہوئے ہیں۔ جوے شیر (داؤد عسکر) اور مصرع وار اشاریہ کلام اقبال (یاسمین رفیق) میں پورے پورے مصرعے دیے گئے ہیں، مگر زیرِ نظر کلیات میں ہر مصرعے کے صرف پہلے دو (یا کہیں کہیں تین) الفاظ دیے گئے ہیں۔ چونکہ پورا کلیات،

کشف الابیات سے ملحق موجود ہے، اس لیے پورے مصرعے دینے کی ضرورت بھی نہ تھی۔

اس کلید کا دوسرا اہم حصہ پانچ اشاریوں کا ہے، جن میں پہلا، موضوعات (تلمیحات، استعارات، تراکیب، اقوام وقبائل وغیرہ) کا اشاریہ ہے۔ اس میں بعض ایسے عنوانات بھی آ گئے ہیں جنھیں الفاظ یا ترکیب تو کہا جاسکتا ہے لیکن انھیں کلام اقبال کے ''موضوع'' نہیں کہا جاسکتا، مثلاً اکسیر، بجلی، بے داد، آوارہ، نمایش، نوری نہاد، نونیاز، نیام وغیرہ۔ دراصل یہ اشاریہ، ''موضوعات'' کے ساتھ کلامِ اقبال کے الفاظ وتراکیب کا اشاریہ بھی ہے۔ مرتب کو اس کی صراحت، شروع ہی میں کردینی چاہیے تھی۔

دوسرا اشاریہ ''شخصیات'' کا ہے ان میں بقول مرتب: ''انسان، فرشتے اور دیگر اساطیری کردار'' شامل ہیں۔ (الف) اقبال کے کلام میں کہیں کہیں دو دو یا تین تین اسما متصلاً استعمال ہوئے ہیں۔ اشاریہ ساز نے انھیں یکجا ایک ہی حوالہ بنا دیا ہے، چند مثالیں:

۱- جم و کے ۶۳۹

۲- جبریل و حور ۴۵۴

۳- جم و پرویز ۵۶۷

۴- خدا کے رسولؐ ۲۵۳

۵- سنجر و سلیم ۴۴۱

متذکرہ بالا نوعیت کے حوالوں میں کہیں کہیں دوسرے یا مابعد نام کا الگ حوالہ نہیں دیا جاسکا، مثلاً:

''کے'' ۶۳۹ کا الگ حوالہ نہیں بنایا گیا۔

''حور'' ۴۵۴ کا الگ حوالہ ندارد۔

''پرویز'' ۵۶۷ کا الگ حوالہ موجود نہیں۔

''رسولؐ'' ۲۵۳ کا الگ حوالہ موجود نہیں۔

''سلیم'' ۴۴۱ کا الگ حوالہ موجود نہیں۔

(ب) بعض جگہ یکسانیت نہیں ہے، مثلاً جبریل وحور، جبریل و ابلیس کے حوالے تو بنائے گئے، مگر جبریل وسرافیل کا حوالہ نہیں بنایا گیا۔ سینا و فارابی کا حوالہ بھی نہیں بنایا گیا۔ ہمارے خیال میں اسماے افراد کے حوالے الگ الگ ہی ہونے چاہییں۔

(ج) کہیں کہیں ایک ہی شخصیت کے حوالے دوجگہ اور دوطرح سے درج ہوئے ہیں۔

۱- جانِ جاناں، مرزا	۷۵۲	اور	مرزا جانِ جاناں، مظہر	۷۵۲
۲- قاآنی، حکیم	۴۹۴	اور	حکیم قاآنی	۴۹۴

۳-قمی، ملک	۲۷۲	اور	ملک قمی	۲۷۲
۴-ابوالعلامعری	۴۸۶، ۴۸۷	اور	معری، ابوالعلا	۴۸۶، ۴۸۷
۵-میر رضی دانش	۲۷۰	اور	رضی دانش، میر	۲۷۰
۶-اکبر حیدری، سر	۷۵۳	اور	سر اکبر حیدری	۷۵۳
۷-آغا خان (سر)	۳۲۳	اور	سر آغا خاں	۳۲۳

(د) بعض ناموں کے ساتھ، وضاحت کے لیے، واوین میں کچھ اضافہ ضروری تھا، مثلاً ''امیر ۱۱۵'' کے ساتھ ''مینائی''، ''ہاشمی'' کے ساتھ ''حسین، شریفِ مکہ'' اسی طرح ''لسان العصر'' کے ساتھ ''اکبر الٰہ آبادی''۔(ہ) زیرِ بحث اشاریے میں بعض القابات یا کنیتوں کو بھی حوالہ بنایا گیا ہے۔اس سلسلے میں زیادہ مناسب ہوتا، اگر لقب کا کنیت کے ساتھ قوسین میں متعلقہ شخصیت کا نام بھی لکھ دیا جاتا۔ نبی اکرم ﷺ کے لیے علامہ اقبال نے جو القاب اور تراکیب استعمال کی ہیں، انھیں حوالہ بناتے ہوئے مرتب نے ان کے ساتھ کئی جگہ (ص) کی علامت بنائی ہے چنانچہ واضح ہو جاتا ہے کہ مراد نبی اکرم ﷺ ہیں۔ مگر ''خواجۂ بدر و حنین'' پر یہ ضروری علامت نہیں بنائی جا سکی۔ سر سید احمد خاں کا حوالہ ''احمد'' کے تحت دیا گیا ہے۔ جو اُن کی عرفیت ''سر سید'' کے تحت دینا مناسب تھا۔

(و) اس حصے میں ایک حوالہ ہے: رفیق نبوت ۲۵۲۔ اول: اس حوالے کی ضرورت نہ تھی کیوں کہ یہ ترکیب بانگِ درا کی نظم ''صدیقؓ'' میں آئی ہے اور ''صدیقؓ'' کا الگ حوالہ موجود ہے۔ اگر اصرار ہو کہ یہ ضروری ہے تو پھر اسی نظم کی ترکیب بنالی جائے: ''مردِ وفا سرشت'' ۲۵۲ کو بھی حوالہ بنانا پڑے گا کہ یہ ترکیب بھی اقبال نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے لیے وضع کی ہے۔ پھر: ''عشق و محبت کا راز دار'' ۲۳۶ کے الفاظ بھی اقبال نے حضرت صدیق اکبرؓ کے لیے ہی استعمال کیے ہیں، تو اسے بھی ایک حوالہ بنا دیا جائے گا۔ اس طرح تو یہ سلسلہ کہیں نہیں رکے گا۔ ہمارے خیال میں (شخصیات کے حوالے سے) صرف ان الفاظ و تراکیب کو حوالہ بنانا چاہیے جن کے آس پاس شخصیت ممدوح کے تعین کے لیے کوئی قرینہ موجود نہ ہو۔ شخصیات کی اس فہرست میں ''خضرِ ہمت'' کا حوالہ بھی ملتا ہے۔ یہ کوئی شخصیت نہیں اسی طرح ''مہدیِ برحق'' بھی کوئی متعین شخص نہیں۔

تیسرے اشاریے بعنوان ''مقامات'' میں براعظموں، ملکوں، شہروں، سمندروں اور دریاؤں کے حوالے شامل کیے گئے ہیں۔ اس حصے میں ''اسرائیل'' ۲۹ صحیح معلوم نہیں ہوتا۔ نظم ''مسجد قرطبہ'' کے ایک مصرعے میں مذکور ''دینوب'' کو ''ڈینوب'' لکھا ہے۔ ہمارے خیال میں اشاریے میں نام متن کے مطابق ہی لکھنا چاہیے، واوین میں وضاحت کی جا سکتی ہے۔ ''جہاں آباد'' کے واوین میں ''دہلی'' کا اندراج قاری کے لیے مفید ہوتا۔ اس حصے میں بھی دو دو مقامات کا یکجا حوالہ دیا گیا ہے (پارس و شام۔ روم و شام یہ

بدر وحنین) مگر یہ حوالے فردی اعتبار سے مکمل نہیں ہیں۔

چوتھا اشاریہ حیوانیات کے حوالوں پر مشتمل ہے اور پانچواں کتابوں، رسالوں اور اخبارات کے حوالوں سے متعلق۔

کلیات کی ابتدا میں منظومات، غزلیات اور رباعیات وقطعات کی مفصل فہرستیں شامل ہیں۔ کلیات اقبال، کے مختلف دستیاب نسخوں میں یہ اہتمام کسی میں نظر نہیں آتا۔ اس اعتبار سے بھی زیرِنظر نسخے کی یہ ایک اضافی خوبی ہے۔ مجموعی حیثیت سے کلیات اقبال، اردو اور کلید پر مشتمل، زیرِنظر نسخہ اپنی نوعیت میں ایک منفرد اور امتیازی حیثیت رکھتا ہے، جس پر ہمارے بعض اکابر ادب و اقبالیات (احمد ندیم قاسمی، ڈاکٹر جاوید اقبال، ڈاکٹر محمد اسلم فرخی، پروفیسر فتح محمد ملک) نے مرتب کی محنت، دیدہ ریزی اور جاں کاہی کی بجاطور پر تحسین کی ہے۔ احمد رضا صاحب اس کاوش پر مبارک باد کے مستحق ہیں۔ ـــ ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی